

جنسی تعلیم اسلامی اقدار کے تناظر میں

ڈاکٹر انیس احمد

دنیا کی تمام معلوم تہذیبوں میں کسی نہ کسی شکل میں مذہب اور جنس کا تصور پایا جاتا ہے۔ مغربی مذہبی مفکرین عموماً اس بات کا تذکرہ کرتے ہیں کہ ترقی یافتہ مذاہب سے صدیوں قبل بھی انسان کسی نہ کسی ماوراءحتیٰ کی طرف اپنے تحفظ اور اپنی ضرریات کے حصول کے لیے متوجہ ہوتا تھا۔ ان تمام تہذیبوں اور مذاہب نے جنس کے بارے میں عموماً دو طرزِ فکر اختیار کیے۔ بعض تہذیبوں نے جنس کو نظر انداز کرنے کو روحانیت سے تعبیر کیا، اور بعض نے جنس کو قابل پرستش خیال کیا۔ کاسیکل ہندوازم میں جنس پرستی مذہب کا ایک جزو لائینک رہی۔ دوسری جانب اسی شدومد کے ساتھ ہندوازم میں ایسے واضح رجحانات بھی موجود رہے ہیں جن میں جنس کو دبا کر اور بالخصوص عالی زندگی کو ترک کر کے جنگل، بیابان یا صحراء اور پہاڑوں میں جا کر تجوید اختیار کرنے کو روحانیت کی معراج قرار دیا گیا ہے۔ یہ افراط و تفریط اور جنس کے بارے میں دو انتہائیں دیگر مذاہب میں ہی نہیں، مسلم معاشرے میں بھی نظر آتی ہیں۔ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ جنس کے موضوع پر بات کرنا، اور وہ بھی کھلی محلہ میں، مہذب معاشروں میں عموماً میعوب اور غیر اخلاقی تصور کیا جاتا ہے۔ لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ جنس کو مکمل طور پر نظر انداز کر کے کسی بھی انسانی معاشرے کا وجود برقرار نہیں رہ سکتا۔ پھر انسان کیا کرے؟ اسلام افراط و تفریط کی جگہ توازن و اعتدال کی راہ کو انسانیت کا منشور قرار دیتا ہے، اور امت مسلمہ کو امت وسط، کہنے کے ساتھ ہدایت کرتا ہے کہ وہ اپنے معاملات میں عدل کو اختیار کرے۔ اسی بنابر اسلام کا تصور جنس مشرق و مغرب کے مروجه تصورات سے بندیادی طور پر مختلف ہونے کے سبب ایک الگ تشخض کا حامل ہے۔

جدید دنیا یا دو رجدید سے عموماً وہ دور مرا دلیا جاتا ہے جو یورپ میں نشاتِ ثانیہ کے بعد مادہ پرستی (Materialism)، افادہ پرستی (Utilitarianism)، انفرادیت پسندی (Individualism) اور لا دینیت (Secularism) کی چار بنیادوں پر تعمیر ہوا۔ جدیدیت کے اس روایتی طرز فکر نے اس تصور کی فلسفیانہ بنیادوں کو معرض بحث میں لاتے ہوئے ایک جدید تسلیٹ کو جنم دیا۔ یہ تسلیٹ اس روایتی تصور سے بالکل مختلف تھی جس نے قرون وسطی میں کلیساً چرچ کو عروج دیا اور جس کی بنیاد عیسائی عقیدہ تھا۔ اس قدیم روایتی تسلیٹ میں خدا، روح القدس اور حضرت عیسیٰ تین بنیادی عناصر تھے۔ نوجدیدیت نے جس تسلیٹ پر اپنی بنیاد رکھی اس میں مثبتیت (Positivism)، ارتقا سیت (Evolutionism) اور جنسیت بنیادی اركان قرار پائے۔ چنانچہ آگسٹ کوئٹے August Comte (۱۷۹۸ء-۱۸۵۷ء) کی فکر نے مادے کی صداقت اور حقیقی تجربے کی قطعیت کا پرچار کیا جس کی کوکھ سے کارل مارکس (۱۸۱۸ء-۱۸۸۷ء) کی فکر لگی۔ ایسے ہی چارلس ڈارون (۱۸۰۹ء-۱۸۸۲ء) نے حیاتیاتی ارتقا (Biological Evolution) کو بنیاد بناتے ہوئے نہ صرف حیوانات و نباتات، بلکہ علوم عمرانی میں بھی ارتقائی فکر کے متعارف ہونے کی راہ ہموار کر دی۔ اسی دوران سگمنڈ فرائد (۱۸۵۶ء-۱۹۳۰ء) نے جنس، لاشعور اور تخت اشاعور کی بنیاد پر انسانی رویوں اور طرزِ عمل کی تعبیر کا تصور پیش کیا۔ نتیجتاً اس کی فکر میں شعوری عمل کی اہمیت کو کم اور تخت اشاعور اور لاشعور کو زیادہ بنیادی مقام حاصل ہو گیا۔

جدیدیت (Modernity)، نوجدیدیت (Post Modernity) اور ماوراء نوجدیدیت (Post Modernism) کی تحریکات پر نظر ڈالی جائے تو ان میں بعض اجزا مشترک نظر آتے ہیں۔ ان اجزا میں اولین مقام مادیت اور حقیقی تجربے کی بنیاد پر حاصل ہونے والے علم کو حاصل ہے۔ اس بات کو ہم یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ یورپی فکر کے ان تینوں ارتقائی أدوار کی بنیاد محدود اور قابل یقین تصور علم (epistemology) پر ہے جو حقیقی ذرائع سے حاصل ہوتا ہے۔ دوسرا اہم عصر انفرادیت پسندی، اور اس سے ملحقة تیرسا عصر اخلاقی اضافیت (ethical relativism) ہے۔

یورپ میں جنس کے حوالے سے بیداری، آزادی اور انحراف کی فکری بنیاد حقیقی تصور علم ہی

ہے۔ اس بنا پر یورپ میں انسانی معاشرتی علوم کی بنیاد بعض ایسے مشاہدات پر رکھی گئی ہے جو بنیادی طور پر حیوانی مشاہدات کہے جاسکتے ہیں۔ چنانچہ روایتی نفسیات کی بنیاد چوہوں کا بھول بھلیوں کے نتیجے دار استوں سے گزر کر پنیر کے ٹکڑے تک پہنچنا، انسانی نفسیات کے بہت سے مفروضوں کی بنیاد بنا۔ اس کے نتیجے میں انسان کا مختلف جنس کی طرف جبکہ طور پر متفہت ہوتا، یا انسان کا معاشی حیوان ہوتا، یا انسان کا معاشرتی حیوان ہوتا وہ اصطلاحات ہیں جو پتا دیتی ہیں کہ مغرب میں علوم عمرانی انسان کو بنیادی طور پر حیوان تصور کرتے ہوئے اس کے رجحانات، ترجیحات، ضروریات، حاجات اور تحسینات کا اندازہ قائم کرتے ہیں۔

دوسرا جدید کی اس تئیث میں انسانی تہذیب کو جن تین بنیادی ستونوں پر تعمیر کیا گیا ہے، ان میں سے ایک کا تعلق انسان کے وجود کے ساتھ ہے۔ چنانچہ اسے بتایا گیا کہ انسان ایک ارتقا یافہ حیوان ہے۔ اس لحاظ سے اس میں بے انتہا حیوانیت پائی جاتی ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ انسانی اعمال بھی کر سکتا ہے۔ دوسری بات یہ سمجھائی گئی کہ وہ ایک معاشی حیوان ہے اور اس کی تمام سرگرمیوں کا محور معاشی فلاح ہونی چاہیے۔ تیسرا بات یہ سمجھائی گئی کہ وہ ایک جبکہ انسان ہے۔ اس کے اندر بعض (فطری جلتیں) اور (کچھ کرنے کا جذبہ) پائی جاتی ہیں۔ اس لیے وہ جو کام بھی کرتا ہے ان کی وجہ سے کرتا ہے۔

انسان فطری طور پر اقدار اور قوت اپنی جبکہ قوت کی بنا پر حاصل کرنا چاہتا ہے۔ چنانچہ جنمی کے بعض مشہور مفکرین نے جہاں اسے اپنی فکر کی بنیاد بنایا، وہاں فرائد نے یہ تصور پیش کیا کہ انسانی اعمال کے پس پشت ایک ایسی قوت پائی جاتی ہے جس کا اصل مقصد اور اصل محور ایک ناقابل تعبیر (ineffable) چھپی ہوئی طاقت ہے جس کو آپ الفاظ سے واضح نہیں کر سکتے۔ فرائد اس کو Libido (محضی قوت) کا نام دیتا ہے، اس کے مطابق یہ انسان کے ان تمام افعال کے پس پشت قوت محکم ہے جو وہ معاشرے میں کرتا ہے۔

ان تین بنیادی تصورات نے مغرب کی لادینی تہذیب کو اس کا تشخص دیا۔ اس کے نتیجے میں وہ تمام تصورات جو قدیم کہلاتے تھے، جن میں خاندان کی اقدار کا احترام تھا، میشیت کے حوالے سے یہ احساس تھا کہ وہ محض منفعت کے لیے نہیں ہے بلکہ اس کے علاوہ اور مقاصد بھی

ہونے چاہتیں، ان تمام چیزوں کو پس پشت ذاتے ہوئے ایک ایسی تہذیب وجود میں آئی جس نے انسان کی حیوانیت کو، خواہ وہ انسان کی ساخت کی بنیاد پر ہو، یا معاشری بنیاد پر، یا جنس کی بنیاد پر، انسان کی اصل پہچان قرار دیا۔

اس تناظر میں دیکھا جائے تو اسلام کا اصل کارنامہ اس کا وہ تصور علم نظر آتا ہے جس نے روایت پرست انسان کو الہامی علم کے ذریعے توهات سے نکال کر، حیوانیت کی سطح سے بلند کر کے اشرف الخلوقات قرار دیا، اور جنس کے موضوع کو بجاے ایک جلت کے، یا ایک instinctive drive کے، ایک شعوری اور اخلاقی عمل قرار دیا۔ اس غرض کے لیے نہ صرف اخلاقیات کا ایک ضابطہ فراہم کیا گیا، بلکہ اس کے لیے اجر اور ثواب کو بھی معین کر دیا گیا، اس دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ اس لحاظ سے یہ انقلابی فکر تھی جو اسلام نے پیش کی، لیکن اس سارے کام کو کرتے ہوئے جو دائرہ کار مقرر کیا گیا وہ جنس کو آزاد کر کے اور اسے انسانی دائرے سے نکال کر نہیں، بلکہ جنس کو خاندان کے اخلاقی دائرے میں رکھتے ہوئے زیر بحث لاتا ہے۔

آج جب جنسیت، libido sexulaity کی بات ہوتی ہے تو ہم اکثر مغربی فکر کے ارتقائی مراحل اور فکری پس منظر کو نظر انداز کر جاتے ہیں، اور یہ سمجھتے ہیں کہ جنس ایک مستقل موضوع ہے جو خاندان سے الگ ہے۔ اسلام یہ چاہتا ہے کہ وہ جنس پر اخلاقی اور معاشرتی نقطہ نظر سے بات کرے اور خاندان کے تناظر میں جنس کو زیر بحث لائے۔ وہ اسے اللہ تعالیٰ کے ایک انعام کے طور پر، ایک امانت کے طور پر اور ایک احسان کے طور پر بیان کرتا ہے۔ چنانچہ فرمایا گیا: ”اوَّلَ اللَّهُمَّ هِيَ نَعْصَمَارَهُ گھرُوں کو تمہارے لیے سکون کی جگہ بنیا“ (النحل: ۸۰: ۱۶)۔ ایسے ہی فرمایا گیا: ”اوَّلَ اللَّهُمَّ هِيَ نَشَانِيَوْنَ میں سے (ایک یہ بھی) ہے کہ اس نے تمہاری ہی جنس سے بیویاں پیدا کیں تاکہ تم ان سے سکون حاصل کرو اور تمہارے درمیان محبت و ہمدردی پیدا کر دی۔ بلاشبہ اس میں نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لیے جو غور فکر سے کام لیتے ہیں“ (الروم: ۳۰: ۲۱)۔ قرآن کریم جسی جذبے کو حلال و حرام اور پاکیزگی اور نجاست کے تناظر میں بیان کرتا ہے تاکہ حصول لذت ایک اخلاقی ضابطے کے تحت ہونے کے فکری اور جسمانی آوارگی کے ذریعے۔ چنانچہ عقد نکاح کو ایمان کی تجھیں اور انکار نکاح کو امت مسلمہ سے بغاوت کرنے سے تعبیر کیا گیا۔

اسلام یہ چاہتا ہے کہ وہ رشتہ جو حسن کے ذریعے قائم ہونے جا رہا ہے، اس رشتے سے قبل ایک اخلاقی تعلق پیدا کیا جائے جو سکون، رحمت اور موادت کا ہو، جس کے نتیجے میں انسانیت کو بھلائی مل سکے۔ یہ فریم ورک ہے جو اسلام نے فراہم کیا ہے۔ اس فریم ورک میں رہتے ہوئے اس نے اس بات کی اجازت دی ہے کہ اگر حلال و حرام کے دائرے کو سمجھتے ہوئے لذت کا حصول ہو، تو وہ ایک بُری چیز نہیں ہے، بلکہ ایک اچھی اور مطلوب چیز ہے جو آنکھوں کو ٹھنڈک فراہم کرتی ہے، لیکن اس لذت کے حصول میں بھی اصل مقصد سامنے رہنا چاہیے۔

ہمارے ہاں یہ سوال بار بار اٹھایا جاتا ہے کہ اگر درِ جدید میں جنسی بے راہ روی کو روکنا ہے تو اس کے لیے جنسی تعلیم لازمی کر دینی چاہیے۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ یہ ایک منفی فکر کی علامت ہے۔ تعلیمی نصاب میں الگ سے جنسی تعلیم فراہم کرنا اور 'محفوظ طریقوں' سے اپنی خواہش پوری کرنا سکھانا مسئلے کا حل نہیں ہے بلکہ خود مسئلہ ہے۔ مسئلے کا اصل حل تعلیمی حکمت عملی ہے۔ جب تک ہم اپنے نصاب کے اندر خاندان کی اہمیت، خاندان کے حقوق اور فرائض کو شامل نہیں کریں گے، اس وقت تک یہ سمجھنا کہ اگر بچوں کو یہ بات سمجھادی جائے کہ خاندانی منصوبہ بندی کیا ہوتی ہے، جنسی امراض کیا ہوتے ہیں اور ان سے کس طرح سے بچا جائے، اس سے ایک باعفت اور باعثت معاشرہ وجود میں آجائے گا تو یہ سراسر ایک واہم ہے۔ یہ صداقت سے خالی مفرضہ ہے! اس لیے میں اپنے فکری زاویے کو تبدیل کرنا ہو گا اور بجاے اس بات کو دہرانے کے جو مغرب بار بار کہہ رہا ہے، یعنی اگر ایڈز کے مہلک اور جان لیوا مرض کو روکنا ہے تو جنسی آ گا ہی (sexual awareness) پیدا کی جائے، کنڈوم کلپر کو عام کیا جائے اور لوگوں کو بتایا جائے کہ وہ کس طرح سے محفوظ جنسی بے راہ روی اختیار کر سکتے ہیں (گویا ناجائز جنسی تعلق بجاے خود کوئی بُری بات نہیں ہے)۔ اس نوعیت کے تمام نفرے اسلامی تصویر حیات کے منافی ہیں۔ جس چیز کو اسلام نے حرام قرار دے دیا ہوا خراس کو محفوظ سیکس، کہہ کر کیسے جائز قرار دیا جا سکتا ہے؟ یہ اختیار فرد یا معاشرے یا ریاست کو کس نے دیا ہے؟ گویا جو بات مغرب کہہ رہا ہے ہم اسے کسی بھی انداز میں کہیں، وہ نقصان، خرابی اور بتاہی کی طرف ہی لے کر جائے گی۔

مسئلے کو اصولی بنیادوں پر حل کرنے کے لیے ہمیں خاندان کی اہمیت کو اپنے نصاب میں شامل

کرنا ہوگا۔ قرآن و حدیث میں جہاں کہیں بھی جنس سے متعلق بات کی گئی ہے اس کا انداز تعلیمی اور اسلوب اخلاقی ہے۔ اسلامی فقہ طہارت، بلوغ اور اس سے وابستہ مسائل کا ذکر کرتا ہے اور ہر موقع پر حلال اور اخلاقی طریقوں پر زور دیتا ہے اور لذت کے حرام طریقوں کو خشن سے تجویز کرتا ہے۔ شہر اور بیوی کا تعلق ہو یا ایک نوجوان کا شادی سے قبل صالحیت کے ساتھ زندگی گزارنا، اسلام زندگی کے ہر دور میں اخلاقی ضابطے کے ذریعے اس کی خواہشات کو تغیری انداز میں ترقی کے موقع فراہم کرتا ہے۔

احادیث بار بار اس طرف متوجہ کرتی ہیں کہ یوم الحساب میں جو سوالات پوچھے جائیں گے ان میں سے ایک کا تعلق جوانی گزارنے سے ہے اور دوسرا کا معاشی معاملات سے۔ گویا جنسی زندگی کا آغاز شادی کے بعد ہے، اس سے قبل نہیں۔ حدیث یہ بھی تعلیم دیتی ہے کہ جب بچہ عمر کے اس مرحلے میں داخل ہو رہا ہو جب جنسی لذت کا احساس جنس مخالف کے جسم سے مُس کر کے ہو سکتا ہے تو بچوں کے بستر الگ کر دیے جائیں۔ یہ ایک مہذب طریقہ ہے جس سے بچے کو یہ احساس ہوگا کہ وہ اب بلوغ کے قریب پہنچ رہا ہے۔ فقہی کتب کے ذریعے احتلام اور ماہواری کی تعلیم دینی فرائض میں سے ہے۔ ایسے ہی جسم سے فاضل بالوں کے صاف کرنے کا تعلق نہ صرف طہارت سے بلکہ اعضا کی صحت سے ہے۔ یہ سب امور یعنی حکمت عملی کے ذریعے فقد کے حوالے سے بغیر جنسی تعلق پیدا کرنے کی خواہش بیدار کیے سمجھائے جاسکتے ہیں۔ ان کے لیے پوشیدہ اعضا کی تصویر کشی کی نہ ضرورت ہے اور نہ حکمت۔

جنس کے حوالے سے ایک پہلو یہ بھی ہے کہ ہم جب بھی جنس کی بات کرتے ہیں تو اسے ہم عام طور پر خواتین سے وابستہ کر دیتے ہیں لیکن انسانی تاریخ یہ بتاتی ہے کہ جنسی تعلق ان دو اکاٹیوں کے بغیر ہونہیں سکتا۔ جن میں سے ایک اکائی ایسی ہے جسے اللہ تعالیٰ نے ہر لحاظ سے پُرکشش بنایا ہے۔ اس بنا پر ہمارا ادب ہو یا زمینی حقائق، وہ اس کا انکار نہیں کر سکتے ہیں لیکن اس بنا پر صفتِ نازک کو کمر ہلا نہ کر دینا، اس کو ایک object بنادینا، یہ لازمی طور پر ایک بہت بڑی غلطی ہے۔ اس سے لازماً پچنا چاہیے۔ اسی طرح مرد کو بھی حسن دیا گیا ہے۔ اس میں بھی کشش پائی جاتی ہے لیکن اگر مقابلتاً دیکھا جائے تو ہمارے ادب اور شعر کا مرکز اگر کوئی رہا ہے تو وہ خاتون ہی رہے

ہے اور اس میں دونوں پہلو شامل رہے ہیں، جمال کے بھی اور جنس کے بھی۔

اس بات کی ضرورت ہے کہ اسلامی تصورِ حیات کی روشنی میں مرد اور عورت دونوں کے بارے میں بجائے جنسِ محض ہونے کے اللہ سبحانہ و تعالیٰ کی طرف سے ایک الٰہی مخلوق کی حیثیت سے جسے اخلاقی وظیفے سے آراستہ کیا گیا ہے، غور کیا جائے۔ گویا برتری اور فضیلت کی بنیاد پر محض جنسی کشش ہو، نہ کسی کا موٹھ یا مذکور ہونا بلکہ اخلاقی تفضیل۔ بھی وہ فضیلت و برتری ہے جسے قرآن کریم نے مختلف مقامات پر وضاحت سے بیان کیا ہے۔ خصوصاً سورہ احزاب میں (۳۵:۳۳) جہاں یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اخلاقی طرزِ عمل کی بنیاد پر اجر و انعام کا وعدہ فرمایا ہے اور اس کا وعدہ ہمیشہ سچا ہوتا ہے۔

بچوں میں جنس کے بارے میں فطری طور پر تجسس ہوتا ہے جسے نہ دبانے کی ضرورت ہے نہ ابھارنے کی، بلکہ تعلیمی نفیات کی روشنی میں عمر کے مرحلے کے لحاظ سے تعلیم و تربیت دینے کی ضرورت ہے۔ وہ کسی دوسرے کے اعضا کی طرف اس لیے نہیں دیکھیں کہ یہ گناہ ہے، اپنے اعضا کسی کو دکھائیں نہیں کہ یہ بھی اللہ کو پسند نہیں ہے۔ انھیں جس جنس میں پیدا کیا ہے اس پر اللہ کا شکر کریں اور بلوغ کے قریب، جب جنسی اعضا کا زیادہ احساس ہوتا ہے، ذمہ داری اور ضبطِ نفس کے ساتھ پیش آئیں۔ عصمت و عفت کی تعلیم اور شرم و حیا کا تصور دراصل جنسی تعلیم ہی کے اجزاء ہیں۔ اس کے برخلاف جنسی اعضا کی تصاویر بنا کر پانچویں اور چھٹی جماعت کے بچوں کو تولیدی عمل سے آگاہ کرنا انھیں پریشان خیالی اور بے راہ روی کی طرف لے جانے کا ایک بہت کامیاب طریقہ ہے جس سے لازمی طور پر بچنا ہوگا۔ ماہرین تعلیم اور ماہرین نفیات کو مل کر ان مسائل پر مناسب لوazemہ تیار کرنا ہوگا۔

اہم گوارش: اس رسائل میں اشتہار دینے والے اداروں یا افراد سے معاملات کی کوئی ذمہ داری مانہنام عالمی ترجمان القرآن کی انتظامیہ کی نہیں ہے۔ قارئین اپنی ذمہ داری پر معاملات کریں۔ (ادارہ)